Alsera

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی

اخلاق محمد ﷺ

قرآن حکیم کے آئینے میں

نبی کریم ﷺ کے بارے میں اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (۱)

اور بے شک آپ (ﷺ) اخلاق کے اعلیٰ پیمانے اور مرتبے پر فائز ہیں۔

اس آیت کریمہ کی اہمیت و عظمت کی تفہیم کے لئے سورہ القلم کی پہلی تین آیتوں کو سمجھنا اور ان کے پس منظر میں مرتبہ محمد ﷺ اور آپ کے اخلاق عالیہ کاملہ پر غور کرنا مناسب ہوگا۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَ مَا یَسْطُرُوْنَ O مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ O وَ اِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ O (۲)

ن اور قلم کی قسم اور ان کے لکھنے والوں کے لکھنے کی کہ آپ اپنے رب کے فضل و کرم سے مجنون نہیں ہیں اور آپ کا اجر تو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے

یہ آیات کریمہ مکہ معظمہ کے اس دور میں نازل ہوئیں جب نبی اکرم ﷺ کی دعوت کی طرف لوگ متوجہ ہونے لگے تھے۔ حج کے موقع پر اطراف و اکناف سے آنے والے زائروں کو قبول حق سے روکنے کے لئے قریش مکہ بھی استہزا کے ساتھ آپ کے نئے دین اور دعوت کا ذکر ان سے کرتے۔ قریش مکہ سرورِ کائنات کی بے داغ زندگی اور جو کلام آپ پیش کر رہے تھے، اس کی اس فصاحت سے بے حد پریشان اور خائف تھے، جس کی مثال انہیں کلام بشر میں نہیں ملتی تھی۔ عرب اپنی فصاحت و بلاغت اور شاعری پر بے حد نازاں تھے۔ عجمی کے الفاظ میں عربوں کی ہر سانس شاعری سے عبارت تھی۔ وہ اپنے علاوہ ساری دنیا کو گونگا سمجھتے تھے۔ ان کے سامنے جو کلام رسول اللہ ﷺ پیش کر رہے تھے اسے کوئی ایک نام دینے پر وہ اتفاق نہ کر سکے۔ یہی ان کی پریشان ذہنی اور حضرت محمد ﷺ کی پیش کردہ آیات کے کسی اور جہاں سے

متعلق ہونے کا ثبوت تھا۔ کسی نے آپ کو ساحر کہا کہ آپ کا کلام دلوں کی دنیا کو اپنی گرفت میں لے لیتا تھا۔ کسی نے آپ کو سحور کہا کہ اس کلام کا سرچشمہ کوئی عظیم جادو تھا جو آپ کے ہونٹوں سے بول رہا تھا۔ اور جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو آپ ﷺ کو (معاذ اللہ) مجنون کہنے لگے۔ لیکن آیات الٰہی کے سننے والے ان بے سروپا تہمتوں پر کان دھرنے کی جگہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے کہ یہ تو کلام حکمت ہے اور اس میں جن اخلاقی اقدار اور تصورات حیات انسانی کو پیش کیا جا رہا ہے ان پر تو ایک نئے معاشرے کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔

ان آیات میں نظر بظاہر تو تخاطب حضور نبی کریم ﷺ سے ہے، لیکن حقیقی مخاطب قریش مکہ ہیں۔ نبی تو مسلم اول ہوتا ہے، اپنے پیغام پر اس کا یقین اتنا ہی مستحکم ہوتا ہے جتنی اس کی ذات۔ ذات کے استحکام کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جس کلام کو برداشت کرنے کی قدرت پہاڑوں میں نہیں، اسے قلب رسالت برداشت کر سکتا ہے۔ نبی اس کبھی ختم نہ ہونے والے اجر سے بھی واقف ہوتا ہے جو اسے کار نبوت کے سلسلے میں آزمائشوں اور تکلیفوں کو برداشت کرنے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے، اور اس کے اخلاق عظیم کا اندازہ اسی بات سے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ اس کی جان کے دشمن ہوتے ہیں، جو اس پر عرصہ حیات تنگ کرنے کے لئے نت نئے ظلم ایجاد کرتے ہیں، وہ انہیں کی فلاح کی خاطر اپنی دعوت کو جاری رکھتا ہے، اور انہیں کی اصلاح کی خاطر اپنے رب کے حضور دعائیں پیش کرتا ہے، راتوں کو جاگ کر اور آنسوؤں کو اپنی صداقت کا قاصد بنا کر۔

سورہ مبارکہ کا آغاز حرف ''ن'' سے ہوا ہے۔ یہ ایک رمز ہے، اللہ تعالیٰ اور رسول کے درمیان۔ ہم اس کے مفہوم کی تلاش میں زبان و بیان کی گہرائیوں اور پہنائیوں میں اپنے آپ کو سرگرداں نہیں رکھتے اور اس ایمان کو اپنے لئے کافی سمجھتے ہیں کہ یہ حرف راز اس مضمون سے پوری طرح وابستہ ہے۔ یہ کُن کے ن کی مثال ہے، جو تخلیق کائنات کا اشارہ ہے، کیونکہ نبوت کا ادارہ اور بالخصوص نبوت محمدی کائنات کی تکمیل ہے۔ صلی اللہ علیٰ نبینا۔

قلم کی قسم سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قلم سے مخلوق کی تقدیر لوح محفوظ پر لکھی گئی، قلم سے صحیفہ کائنات لکھا گیا، اور یہی قلم فرشتوں کے ہاتھ میں ہمارے اعمال لکھ رہا ہے، اور اسی قلم سے قرآن مجید لکھا جا رہا ہے۔ حضرت ابن عباس جیسا مفسر قرآن اور تلمیذ رسالت، رقم اعمال ہی کو ما یسطرون کا مفہوم سمجھتا ہے، اور بعضوں نے اس کو کتاب الٰہی کا لکھا جانا قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ لیکن یہ بات بھی تفسیر بالرائے کے دائرے میں نہیں آئے گی کہ ما یسطرون میں اعمال کا لکھا جانا بھی شامل ہے، قرآن حکیم کا لکھا جانا بھی اس کے

دائرے میں داخل ہے، اور صحیفۂ کائنات میں مسلسل اضافے کی عبارت بھی اس کے مفہوم سے باہر نہیں۔

ان شاء اللہ آگے چل کر ہم ان اخلاقی قدروں اور ان اخلاقی صفات پر گفتگو کریں گے، جن کی تجسیم ذات محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے، اور جو آپ کی زندگی اور سیرت کے حوالے سے عالم انسانیت کو عطا ہوئی ہیں۔ یہاں اس بات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ عام انسانوں کے اخلاق پر گفتگو کرتے ہوئے سیرت، جبلت، ماحول، موروثی اثرات اور تعلیم جیسے مسائل ومباحث پر نظر ڈالنا ضروری اور ناگزیر ہو گا لیکن انبیائے کرام اور بالخصوص سرور کائنات ﷺ کے اخلاق عالیہ کے سلسلے میں یہ نکتہ بنیادی ہے کہ ان کا اخلاق عطیہ ربانی ہے، جو ان کی زندگی کی آزمائشوں اور واقعات کے پس منظر میں ابھر کر انسانوں کے سامنے آتا چلا گیا۔ آنحضرت ﷺ آخری رسول ہیں، اس لئے آپ کی سیرت ہر دور کے انسانوں کے لئے کامل ترین نمونہ ہے، اور اسی لئے اس آئینے کی قوت انعکاس وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

قرآن مجید کے تدریجی نزول کے بنیادی اسباب سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ تئیس سال کے عرصے میں ہر زمانے کے امکانی واقعات وحوادث زمانہ رسالت میں سمٹ کر سامنے آگئے اور اہل ایمان کے لئے ہر دور میں آپ کے اخلاق اور آپ کی سیرت نمونہ بن گئے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب سوال کیا گیا کہ ہمیں اخلاق و سیرت محمدی کے بارے میں کچھ بتایئے تو ان کا یہ مختصر جملہ سیرت رسول آخر الزماں ﷺ کا جامع ترین، مانع ترین بیان بن کر حافظہ تاریخ میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گیا:

کان خلقہ القرآن (۳)

آپ کا اخلاق قرآن تھا

اس بات کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں اور اسی صحت کے ساتھ قرآن آپ کا اخلاق تھا۔

اخلاق کا اظہار معاشرے میں عمل، تعامل اور ردعمل کے ذریعے ہوتا ہے، دوسرے کے ساتھ ہمارے تعلقات اور معاملات سے جو صورت حال ابھرتی ہے، اسی کے آئینے میں کسی کے اخلاقی خدوخال دیکھے جاتے ہیں۔ حضور ﷺ کی چالیس سالہ حیات قبل نبوت اور نبوت کے تیئس برسوں کے واقعات میں حد درجہ تنوع ہے۔ حیات انسانی کے یہ مواقع کس کی زندگی میں، آپ کی حیات طیبہ کے سوا نظر آتے ہیں اور ان تمام مراحل میں آپ کا طرز عمل اعلیٰ ترین اخلاق کو پیش کرتا ہے اور انسانوں کے لئے بہترین نمونہ ہے۔ بچپن ہی سے آپ کی زندگی میں انسانوں کے لئے قائم رہنے والے سبق ہیں۔ دور رضاعت میں آپ نے

اپنے رضاعی بھائی بہنوں کے حقوق کا احترام کیا۔ آپ کے چار رضاعی بھائی اور بہن تھے، ان میں سے دو آگے چل کر مسلمان ہو گئے تھے، عبداللہ اور شیما۔ ان کے اسلام قبول کرنے کے محرکات میں سرکار دو عالم کا بچپن اور اس عہد میں آپ کی پاکیزہ عادات کی یاد اور ان کا گہرا نقش بھی شامل ہے۔

واقعۂ شق صدر اس وقت پیش آیا جب آپ ﷺ کی عمر تین سال اور پانچ سال کے درمیان تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو آپ کے نبی ہونے کا علم تھا تو پھر آپ کے قلب اطہر میں وہ لوتھڑا کیوں رکھا گیا جو شیطان کا حصہ تھا۔ اس کا جواب فوراً ذہن میں یہ آتا ہے کہ آپ کی خلقت تمام انسانوں کی طرح تھی اور آپ کی نبوت اور گناہوں سے آپ کی عصمت اور آپ کا معصوم ہونا عطیۂ خداوندی اور حصہ نبوت تھا۔

ایک نوعمر لڑکے کی حیثیت سے آپ نے لغو لہو اور لعب سے ہمیشہ پرہیز کیا۔ آپ کا طرز کلام دوسروں کے لئے آداب گفتگو کا ایک مکتب تھا۔ جناب ابو طالب اور جناب زبیر کی کفالت کے دور میں آپ کا طرز عمل مثالی تھا۔ یتیم بچے عام طور پر گہرے احساس محرومی کا شکار ہو جاتے ہیں، لیکن حضرت محمد ﷺ کا دامن صفات محرومی اور کم تری کے شائبے سے بھی محفوظ رکھا، بلکہ آپ نے آنے والے ہر دور کو یتیم کی عزت کا سبق دیا اور قرآن حکیم کے صفحات یتیم کے ساتھ حسن سلوک کے سبق سے جگمگا رہے ہیں۔ یہ اس دُرِّ یتیم کا انسانیت پر احسان ہے۔ آپ کی یتیمی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ آپ کو خاتم النبیین بنا کر بھیجنے والے نے ہر دنیاوی سہارے سے آپ کو محفوظ اور بالاتر بنا کر بھیجا۔ آپ اپنی پیدائش سے پہلے ہی نبوت کے درجے پر فائز ہو چکے تھے، اگرچہ اس بات کا علم آپ ﷺ کو بھی اس وقت تک نہیں تھا جب سن ۴۰ محمدی میں جبریل امیں آپ تک اللہ کا آخری پیغام لے کر نہیں آئے۔ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ۔ رسالت کا مرتبہ انسان اپنی عبادت و ریاضت اور کسی اور مشقت کی بنا پر حاصل نہیں کرتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا انتخاب اور انعام ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اس بار گراں کے اٹھانے کے لئے منتخب کر لیتا ہے اور اس کی پرورش، تربیت اور ارتقا منشائے الٰہی کے مطابق ہوتا ہے۔ قرآن حکیم اس حقیقت کو بار بار پیش فرماتا ہے۔ حصول نبوت سے پہلے نبی کو بھی اس کا علم نہیں ہوتا کہ اس کا رب اسے کس امانت عظیم اور رمرتبہ فلک مرتبہ سے نوازنے جا رہا ہے اگرچہ نبوت سے پہلے اسے رویائے صادقہ سے نوازا جاتا ہے اور کائنات کے مناظر، چیزیں اس کے سامنے رب کائنات کے حکم سے اپنے اسرار کھولنے لگتی ہیں۔ قبل رسالت، رسولوں کی زندگی عام انسانوں کی طرح گزرتی ہے۔ وہی رشتے ناتے، وہی لوگوں سے معاملات، ویسے ہی دوستیاں اور تعلقات لیکن اس کے ساتھ

بھی اس حقیقت کی شہادت دیتے ہیں کہ اس کی زبان، نبوت سے پہلے بھی فحش اور لغو باتوں سے پاک تھی، لوگوں سے اس کے تعلق کی دنیا خیر خواہی کے سوا کچھ نہ تھی، وہ دوستوں اور دوسروں کو بھلائی کا حکم دیتا تھا۔ کفار اس واضح فرق کو نہیں دیکھ پاتے، اور اسی لئے اعلان نبوت کے بعد بھی ہمیشہ نشانیوں اور معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں اور اس حقیقت تک پہنچ نہیں پاتے یا پہنچنا نہیں چاہتے کہ رسول کوئی نشانی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر پیش نہیں کرسکتا، کیونکہ رسول اسی لئے آتا ہے کہ لوگوں کی زندگی کا رخ رب کائنات کی طرف موڑ دے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِکَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجاً وَّ ذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ (۴)

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور انہیں بیوی بچوں والا بنایا، اور کسی رسول میں یہ طاقت نہیں تھی کہ وہ اللہ کے حکم اور اذن کے بغیر کوئی نشانی اور آیت دکھائے۔

اللہ تعالیٰ جن منتخب اور برگزیدہ ہستیوں کو نبوت کے لئے منتخب فرماتا ہے، ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کے ازلی و ابدی کمپیوٹر میں فیڈ (Feed) ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ کو فرعون و فرعونیت سے انسانیت کو نجات دلانی تھی، اللہ تعالیٰ نے فرعون کے محل میں ان کی پرورش اور تربیت کے مواقع فراہم کر دیئے تاکہ انہیں آداب و اسرار ملوکیت اور خدا بننے والے شہنشاہ کی تمام نفسیاتی کیفیتوں کا علم ہو سکے۔ اپنے عہد اور ہر عہد کو بدل دینے والے رسول کو اس نے نظر بظاہر ہر دنیوی سہارے سے محروم رکھا، تاکہ دنیا پر اور آپ ﷺ کے بدترین دشمنوں پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ رسول کی حفاظت اس کے رب کے ذمے ہے، اور وہ اس کے لئے کافی ہے۔

رسالت کا انتخاب صرف اللہ کے ذمے ہے، وہ جسے اپنے پیغام سے سرفراز فرمانا چاہتا ہے اسے اس منصب کو اٹھانے کا ظرف عطا کرتا ہے، یہ حقیقت قرآن کریم میں پوری طرح کھول کر بیان کی گئی ہے

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاءُ (۵)

اللہ مومنوں کو اس حال میں ہرگز نہیں رہنے دے گا، جو اس وقت تمہاری حالت

Alsera

ہے۔ وہ پاک لوگوں کو ناپاکوں سے الگ کر کے رہے گا، لیکن اللہ تعالیٰ کا طریق کار
نہیں کہ وہ تم کو غیب پر مطلع کرے۔ وہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے
غیب کی باتیں بتانے کے لئے منتخب کر لیتا ہے۔

ہم نے اس آیت عظیمہ کو اس کے پھیلاؤ اور معانی کی وسعت کی وجہ تیج نا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور طریق کار کو واضح کرتی ہے۔ مومنوں کو اللہ اس حال میں نہیں رہنے دے گا کہ منافق ان میں گھلے ملے رہیں اور فتنے جگاتے رہیں۔ منافقوں کے دلوں کا چھپا ہوا نفاق غیب کی بات ہے، جس سے صرف اللہ تعالیٰ حتمی طور پر واقف ہوتا ہے، لیکن وہ اپنے رسولوں میں سے جن کو منتخب کرتا ہے اُن پر منافقوں کے نفاق اور بعض دوسرے امور غیب کو آشکار فرما دیتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کے کئی واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ امور غیب سے آپ کو جب مناسب سمجھتا مطلع فرما دیتا۔ مثلاً یثرب کی طرف ہجرت کرتے وقت راستے میں سراقہ بن مالک کا تعاقب کرنا، اس کے گھوڑے کا دوبار گرنا، اسے یقین ہو گیا کہ وہ سرور کائنات ﷺ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ آخر اس نے رسول اللہ کو سامان سفر اور کھانے کی چیزوں کی پیش کش کی، جو آپ نے قبول نہیں کی اور صرف یہ وعدہ لیا کہ ہماری راز داری کرنا اور مخبری نہ کرنا۔ اس وقت زبان رسالت نے یہ پیشین گوئی فرمائی کہ میں تمہارے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایران کی فتح کے بعد جب کسریٰ کے کنگن مال غنیمت میں آئے تو حضرت فاروق اعظم نے وہ کنگن سراقہ کو دے دیئے۔

غزوہ خندق کے موقع پر خندق کھودتے ہوئے ایک سخت چٹان ایسی آ گئی کہ صحابہ کرام کی کدالیں اس پر پڑ کر اُچٹ جاتیں۔ صحابہ کرام نے سرور کائنات ﷺ کو اطلاع دی، آپ تشریف لائے، آپ نے اس پر اپنے رب کا نام لے کر اس چٹان پر ضرب لگائی۔ چٹان کے پتھر کی چنگاریاں فضا میں اُڑیں اور اس کا ایک بڑا ٹکڑا الگ ہو گیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ نے مجھے ملک شام کی کنجیاں عطا فرما دیں اور میں شام کے سرخ محلات کو دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے اللہ اکبر کہہ کر اس چٹان کو دوسری ضرب لگائی، پتھر کی چنگاریاں منتشر ہو گئیں اور زبان رسالت سے یہ بات ادا ہوئی کہ اللہ اکبر! ملک فارس میرے سپرد کر دیا گیا اور اس وقت (ان چنگاریوں میں) مدائن کا قصر ابیض دیکھ رہا ہوں۔ اور جب رسول اللہ ﷺ نے تیسری ضرب لگائی تو چٹان پاش پاش ہو گئی۔ اس سے نکلنے والی چنگاریوں نے فضا کو روشن کر دیا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں۔ میں اس وقت صنعاء کے

o\Alsera

پچانک کو (کھلا ہوا) دیکھ رہا ہوں۔

اس آیت سے یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ نبوت اللہ کا انعام اور انسانوں کے لئے بلند ترین انعام ہے۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ اس نکتے کو بھی واضح فرما دیا گیا کہ انبیاء کے مقامات اور مرتبے میں بھی فرق ہوتا ہے:

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ (۶)

یہ ہمارے رسول ہیں جن میں ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

نبوت کی ماہیت سے بے خبر کفار نے ہمیشہ اپنے رسولوں کا تمسخر اڑایا۔ مادیت میں ڈوبے ہوئے یہ لوگ دولت دنیا ہی کو ہر اعزاز کی بنیاد سمجھتے تھے اور اسی لئے رسالت کو بھی اپنا حق جانتے تھے۔ ان کی اسی ذہنیت اور انداز فکر کو قرآن حکیم نے اس طرح پیش فرمایا ہے:

وَ اِذَا جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ ط اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَه (۷)

اور جب ان کو کوئی آیت پہنچتی ہے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، جب تک ہم کو بھی کوئی ایسی چیز (رسالت، پیغام الٰہی) نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی جاتی ہے۔

رسالت کے مرتبے کا ذکر رسولوں کو مخاطب بھی کر کے کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قَالَ یٰمُوْسٰٓی اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَ بِکَلَامِیْ صلے فَخُذْ مَآ اٰتَیْتُکَ وَ کُنْ مِّنَ الشّٰکِرِیْنَ O (۸)

(ہم نے موسیٰ سے فرمایا) اے موسیٰ! میں نے دوسرے انسانوں پر تمہیں اپنی رسالت عطا فرما کر اور تم کو اپنے کلام سے سرفراز فرما کر امتیاز (اور برتری) دیا ہے۔ پس میں نے جو کچھ (اپنی آیات اور اپنی وحی سے) عطا کیا ہے اس کو لے لو اور شکرگزاروں میں شامل ہو جاؤ۔

کلام الٰہی کا اعجاز یہ ہے کہ چند لفظوں میں رسالت کے مرتبے، وحی کو اپنے ذہن اور کردار کا حصہ بنانے اور اسے دوسروں تک پہنچانے کا فریضہ، اور اس امتیاز پر اپنی شکرگزاری کے اظہار کے مضامین کو بیان کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو نبوت اس لئے عطا فرمائی کہ وہ بنی اسرائیل کو ہدایت فرمائیں،

|o\Alsera

اوراپنی ہم کلامی سے انہیں انتہائی یقین عطا کیا ہے، اوران انعامات پر شکر بجانے کا حکم بھی اپنے رسول اور اس کے متبعین کی ہدایت کا وسیلہ ہے۔

رسلِ عظام پر وحی کئی طریقوں سے نازل فرمائی گئی، کبھی کلام کے ذریعے، کبھی رسول کے قلبِ مطہر پر وحی نازل فرمائی گئی، کبھی گھنٹیوں کی آوازوں کی سی آواز گونجتی، اوراکثر حضرت جبریل وحی لے کر تشریف لاتے۔ یہ بھی فرشتوں میں جبریل امین کا امتیاز ہے اوراس امتیاز کے لئے فرشتوں میں سے اللہ جل جلالہ نے حضرت جبریل کا انتخاب فرمایا:

اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰئِکَۃِ رُسُلاً وَّمِنَ النَّاسِ ط اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ O (۹)

اللہ تعالیٰ فرشتوں اورانسانوں میں سے اپنی رسالت اور پیغام پہنچانے والوں کو چن لیتا ہے، بے شک اللہ سمیع اور بصیر ہے۔

قرآن حکیم کی ان آیات سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ برگزیدہ بندوں ہی کو نبوت عطا کی جاتی ہے جواس منصب عالی کے لئے چن لئے جاتے ہیں۔ اللہ جل جلالہ اسی غرض سے ان کی تخلیق کرتا ہے۔ کسی چیز کو بنانا تخلیق ہے اس مسئلہ تخلیق کی اہمیت کو کسی حد تک سمجھ لینا ہمارے لئے ضروری ہے۔ عمل تخلیق میں اندازہ اورظرف کا ناپنا اورامکانات کا جائزہ لینا بھی شامل ہے، یہی امکانات اوران کا پورا ہونا کسی چیز کی تقدیر کہلاتا ہے۔

اسی مادہ (خ ل ق) سے مشتق ایک لفظ اردو میں مستعمل ہے۔ خلیق، کسی بااخلاق اور خوش نفس آدمی کو، جسے دیکھ کر زندگی کی خوش گواری کا اعتبار آئے، ہم خلیق کہتے ہیں۔ خلق (مخلوق، تخلیق) اور خُلق (اخلاق، خلیق) یہ الفاظ ایک ہی مادہ خ ل ق سے ہیں۔ یوں خُلق کا مفہوم ہوا طبعی عادت۔ وہ عادت یا عادات جس میں استمرار ہو، جو تبدیلی سے بالاتر ہوں، اسی لئے نبی اکرم ﷺ کے لئے فرمایا گیا:

وانّک لعلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (۱۰)

انسان اور دوسری مخلوقات کی عادات اور فطری تقاضوں کے لئے عربی زبان میں کئی الفاظ ہیں۔ ان میں سے دو لفظ قرآن حکیم میں بھی استعمال کئے گئے ہیں، ان میں سے ایک تو سیرت ہے:

قَالَ خُذْھَا وَ لاَ تَخَفْ سَنُعِیْدُھَا سِیْرَتَھَا الْاُوْلیٰ (۱۱)

(اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے) فرمایا اسے پکڑلو اور خوف نہ کرو۔ ہم اسے اس

کی پہلی صورت میں دوبارہ لوٹا دیں گے۔

حضرت موسیٰ کے ہاتھ میں عصا دیکھ کر رب العزت نے دریافت کیا کہ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے۔ حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ یہ میری لاٹھی ہے، جس سے میں ٹیک لگاتا ہوں اور اپنی بکریوں کے لئے درختوں سے پتے جھاڑتا ہوں اور اس سے مجھے دوسرے فائدے بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے زمین پر ڈال دو۔ زمین پر ڈالنا تھا کہ لاٹھی سانپ بن کر دوڑنے لگی۔ اس پر رب موسیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ڈرو نہیں، ہم اسے پہلی صورت میں لوٹا دیں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق انسان کی طبعی خصوصیت یا خصوصیات کا نام ہے اور سیرت، روش بطور طریقے اور چال ڈھال کو کہتے ہیں۔ لاٹھی کی پہلی سیرت اس کا لاٹھی ہونا ہے۔ پھر سیرت کی تشکیل، موروثی اثرات، ماحول اور تعلیم کے عناصر سے ہوتی ہے۔ ان خصوصیات کا تناسب مختلف افراد میں مختلف ہوسکتا ہے۔ کسی انسان کی سیرت کی تشکیل میں کون سا عنصر غالب ہوگا اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

ایک اور لفظ جبلت بھی آج نفسیات میں حد درجہ مستعمل ہے۔ یہ انگریزی اصطلاح Instinct کے مترادف ہے۔ جبلت سے مراد انسان یا دوسری مخلوقات کی وہ خصوصیات، ضرورتیں، عادتیں اور خصائص ہیں جن پر انہیں کوئی اختیار نہ ہو، جیسے لفظ جنس، جنسی ضرورت، بھوک، پیاس وغیرہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں جبلت کا لفظ مخلوق کے لئے استعمال ہوا ہے۔

وَاتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَ الْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ ○ (۱۴)

اس اللہ (اور خالق حقیقی) کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں اور اگلی مخلوق کو پیدا کیا۔

قرآن حکیم کے احکام اور عمومی تعلیم سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انسان اپنی خلقت کے اعتبار سے بھی تمام مخلوقات سے الگ اور مختلف ہے۔ جانوروں کو دیکھئے ان کے جنسی ملاپ کے لئے قدرت نے سال کا کوئی حصہ مقرر کر دیا ہے، جس میں وہ اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کرتے ہیں اور جسے Meeting Season کہا جاتا ہے۔ اس زمانے میں اعلیٰ نسل کی کتیوں کے مالک انہیں گلی کے کتوں سے محفوظ رکھنے کے لئے کیا کیا جتن کرتے ہیں، کیونکہ وہ اپنی جبلت کے تحت ہر قید و بند کو توڑنے پر آمادہ ہوتی ہیں۔ اختلاط کے اسی زمانے میں آپ بلوں کی آؤ کی آوازیں بلکہ پکار کو سنتے ہیں، جس کو سن کر بلیاں ان تک پہنچ جاتی ہیں۔

انسان اللہ کی مخلوق ہے جسے شعور، اخلاقی حس، ضبط نفس اور اپنی جبلت پر قابو پانے اور اسے

Alsera

دائرہ انسانیت میں رکھنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ آج دین سے دوری کی وجہ سے بیشتر انسان اور مسلمان بھی اس اختیار سے باخبر نہیں اور وہ حیوانوں کی طرح اپنی جبلی خواہشوں کی تکمیل کے لئے گھناؤنے جرائم کے مرتکب ہو جاتے ہیں، روزانہ ہمیں اخبارات میں جو خبریں نظر آتی ہیں ان کو دیکھ کر شرف انسانیت پر یقین متزلزل ہو جاتا ہے۔ لاہور کا وہ واقعہ تو ذہنوں سے مٹنے والا نہیں جب ایک آدمی نے سو سے زیادہ بچوں کو قتل کر دیا تھا۔ ہر دن معصوم بچیوں کے ساتھ زیادتی کے واقعات اس کثرت سے ہمارے سامنے آ رہے ہیں کہ دل لرز اٹھتا ہے۔ کئی بچیاں تو دو سال کی عمر سے بھی کم ہوتی ہیں۔ اسی طرح غیر مسلم ملکوں میں رہنے والے مسلمانوں کی اکثریت کھانے میں حلال حرام کا لحاظ نہیں رکھتی اور جو لوگ اپنے آپ کو دین سے بھی وابستہ رکھنا چاہتے ہیں وہ بھی غیر ذبیحہ گوشت کیلئے کیسے کیسے شرعی جواز تلاش کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث نبوی کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مسلمان کس طرح اپنے اختیار، ارادے، شعور اور تربیت کے ذریعے حیوانی جبلت پر غالب آ جاتا ہے۔ جب جان پر بنی ہو تو حرام چیز حلال ہو جاتی ہے، مگر اسی حد تک کہ جسم و جان کا رشتہ قائم رہے۔ یہ جبلت پر شعور اور ایمان کی فتح ہے۔

ایک اور لفظ جو کہ نہایت درجہ استعمال ہونے والے ان الفاظ میں شامل ہے جو سیرت، شخصیت اور عادات و اطوار اور سیرت کے لئے استعمال ہوتا ہے، مگر اس سلسلے میں مختلف تصورات اور الوان معانی (Meaning Shades) کا احاطہ کرتے ہوئے۔ دوسرے الفاظ میں یہ ایک ڈھیلا ڈھالا (Loose) لفظ یا اصطلاح ہے، اس کے پھیلاؤ کا اندازہ ذیل کی مثالوں سے کیجئے۔

۱۔ اس ڈرامے میں اس نے بوڑھے کا کردار انجام دیا ہے۔

۲۔ اس لڑکی کا کردار اچھا نہیں ہے (محدود اور مخصوص استعمال۔ کسی فرد کے جنسی طرز زیست کے اظہار کے لئے۔ کوئی اور عادت یا سیرت کا پہلو شامل نہیں)۔

۳۔ تاریخ عالم میں مسلمانوں نے علوم و فنون کی اشاعت اور ترویج کے سلسلے میں جو کردار انجام دیا ہے، وہ تہذیب انسانی کی تاریخ کا سنہری باب ہے۔

۴۔ مولانا محمد علی جوہر کے کردار میں منافقت کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

قرآن کریم نے سیرت، کردار، شخصیت اور ایسے ہی کسی لفظ کی جگہ نبی اکرم ﷺ کے مجموعی فضائل و خصائص کے لئے "خُلق" (اخلاق) کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اخلاق جو آپ کی ذات اور وجود کا احاطہ کر لیتا ہے اور پھر ارشاد ہوا :

Alsera

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ
وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ (۱۴)

یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ (ﷺ) میں عمدہ نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لئے
جواللہ تعالیٰ (پر یقین)اور یوم آخرت کی توقع رکھتا ہےاور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو
یاد کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ میں عمدہ نمونہ ہے (فی رسول اللہ) ۔اس ربانی ابلاغ اور اظہار کی ہمہ گیری، گہرائی اور رفصاحت کوتو ہم فانی انسان پوری طرح سمجھ بھی نہیں سکتے ۔پھر اس بات کی بھی وضاحت کردی گئی کہ وہ کون لوگ ہیں جن کے لئے رسول اللہ ﷺ میں عمدہ نمونہ ہے ۔یہ وہ لوگ ہیں جواللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر پورا یقین رکھتے ہیں، جو یہ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا اتباع اسی دنیا کے لئے نہیں ہے بلکہ آخرت کے اجر وثواب اور ابدی زندگی کا انحصار اسی پر ہے،اور اتباع رسول کریم ﷺ کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ایسا انسان کسی لمحے اپنے رب کی یاد سے غافل نہیں ہوتا۔

عام طور پر آج یہ کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کی دو حیثیتیں تھیں ۔ایک رسول کی حیثیت اور ایک بشر کی حیثیت ۔سنت کے دائرے میں وہ باتیں آتی ہیں جو آپ نے رسول کی حیثیت سے کیں، یا کہیں اور جن کا حکم ہمیں اللہ کے رسول کی حیثیت سے دیا۔ان کی تقلید ہم پر واجب ہے، لیکن جو باتیں طبیعی ہیں اور ہر انسان ان کے کرنے پر مجبور ہے وہ سنت کے دائرے میں نہیں آتیں ۔ایسی باتیں کہنے والے نہ محبت اور محبوبیت سے واقف ہیں اور نہ رسول کے دائرہ کار سے ۔رسول تو زندگی کے ہر شعبے میں توازن، حسن اور نفاست پیدا کرنے آتا ہے،اور وہ زندگی کا کون سا عمل ہے جسے خوبصورت اور متوازن بنانے کی ضرورت نہ ہو۔آدمی حیوانوں کی طرح غٹ غٹ کرکے ایک سانس میں رکے بغیر اپنی پیاس بجھا سکتا ہے اور وہی آدمی سنت رسول کا اتباع کرتے ہوئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے پانی پینے کا آغاز کرسکتا ہے ۔لوگوں سے ملاقات ہو، یا گھر میں داخل ہوتے ہوئے اہل خانہ کے لئے دعائے خیر وبرکت ہو، کسی محفل میں آداب نشست و برخاست ہوں، یا کسی مہمان کی پذیرائی، کسی تقریب مسرت میں شرکت ہو یا کسی جنازے میں حاضری، لباس کا انتخاب ہو یا لباس پہننے کے آداب، کسی کو شادی اور کسی کامیابی پر مبارکباد دینے کا موقع ہو یا کسی مریض کی عیادت، کسی آدمی سے گفتگو ہو یا کسی جلسے میں خطاب ۔غرض کہ زندگی کا کوئی بھی مرحلہ ہو، کوئی بھی تقریب ہو یا کوئی بھی موقع ہو، نبی اکرم ﷺ کا انداز زیست ، آپ کی سنت کریمہ کہاں ہماری رفاقت نہیں کرتی ۔

Alsera

اور رہا ضروریات دین اور عبادات کا مسئلہ تو اس میں آپ کے اتباع کے بارے میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ کا کوئی پیشہ ہو۔ آپ تاجر ہوں یا سپاہی، آپ سیاست دان ہوں یا سفارت کار، آپ مبلغ ہوں یا مختلف اہم مسائل میں لوگوں کے مشیر، آپ معلم ہوں یا کسی انجمن اور ادارے کے سربراہ، آپ عبادت، ریاضت میں مصروف رہتے ہوں یا معاشی سرگرمیوں میں اپنا وقت گزارتے ہوں۔ ہر شعبہ زندگی میں ہادئ اعظم ﷺ کے نقوش قدم آپ کی رہنمائی کریں گے۔ آپ کسی ایسے ملک میں قیام پذیر ہوں جہاں مسلمان ہونے کی پاداش میں آپ پر ظلم کئے جاتے ہوں یا کسی ایسے ملک کے شہری ہوں جہاں مسلمان برسر اقتدار ہوں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسوۂ حسنہ ہر جگہ اور ہر قدم پر آپ کی رہنمائی کرے گا۔

زندگی کے ساتھ زندگی کی سرگرمیاں بھی جاری رہتی ہیں۔ زندگی کی ان سرگرمیوں اور ہنگاموں کا رشتہ معاشرے کے ساتھ وابستہ ہے۔ ہر انسانی عمل انسانوں کے درمیان ہی وجود میں آتا ہے۔ زندگی اسی تعامل (Interaction) کا نام ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کا اخلاق ہر میدان، ہر شعبۂ حیات اور انسانی سرگرمیوں کے ہر عمل میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ آپ ﷺ کی یتیمی کے سبب اللہ تعالیٰ نے یتیموں کو تکریم عطا فرمائی اور یہ نکتہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے واضح ہو گیا کہ یتیمی کے بوجھ اور غم سے انسان دنیوی سہاروں سے نجات نہیں پاتا بلکہ اللہ کے رحم سے۔ اللہ کا رحم جو اس کے احکام کی صورت میں اہل ایمان کی زندگیوں کو روشن کرتا ہے اور وہ یتیموں کے لئے سائبان بن جاتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی یتیمی نے حضرت عبدالمطلب، حضرت ابو طالب اور حضرت زبیر کی شخصیتوں میں چھپی ہوئی محبت کو ابھارا، اور بعد میں یہ شفقت اسلامی معاشرے کی پہچان بن گئی۔ اور یہ حقیقت ہمیشہ کے لئے حرف اعتبار بن گئی، کہ تمہارے گھروں میں سب سے اچھا گھر وہ ہے جہاں کسی یتیم کی پرورش شفقت اور محبت کے سائے میں ہو رہی ہو۔

اس یتیم بچے کے اخلاق کریمانہ کے اظہار کا سلسلہ اس کے شعور سے پہلے ہی شروع ہو گیا کیونکہ نبی پیدا ہوا تھا، اگرچہ اس کو مستقبل میں اپنی نبوت کا احساس و ادراک نہ تھا۔ حضور ﷺ نے جو پہلی رات حلیمہ سعدیہ کے خیمے میں گزاری، اس رات ہی میں سعدیہ حلیمہ کے جسم میں دودھ کا چشمہ ابل پڑا۔ ننھے محمد (ﷺ) نے بھی سیر ہو کر پیا اور اپنے رضاعی بھائی کے لئے اس کا حصہ چھوڑ دیا۔ نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور اخلاق کریمانہ کی بنیاد ہی حقوق و فرائض کی ادائیگی پر ہے۔ اپنا فرض ادا کرنا اور دوسرے کے حق کی پاسداری۔ یہی اخلاق ہے۔ حضور ﷺ اپنے بچپن میں بھی اپنے رضاعی بھائی بہنوں کے لئے ایثار سے

کام لیتے، محبت کا برتاؤ کرتے، معصوم شرارتوں کے علاوہ کسی ایسی بات کے مرتکب نہ ہوتے جس میں ایذا رسانی اور دوسروں کی تکلیف کا پہلو ہوتا۔

نبی اکرم ﷺ کا لڑکپن جب نوعمری کی دہلیز پر قدم رکھنے لگا تو آپ کے اخلاق کے روشن پہلوؤں سے آپ کا ماحول جگمگانے لگا۔ آپ ﷺ جب عمر کے پندرہویں یا سولہویں سال میں تھے تو جنگ فجار کا واقعہ پیش آیا۔ اس جنگ میں محمد ﷺ بھی شریک ہوئے مگر آپ کی شرکت کی شان بھی عجب تھی، آپ ﷺ نے نہ تو تلوار اٹھائی، نہ تیر چلایا، نہ کسی سینے کو نیزے سے چھلنی کیا، بلکہ تیر اٹھا کر اپنے چچاؤں کو دیتے رہے۔ اس جنگ کا آپؐ پر گہرا اثر پڑا۔ آپ کو اس بات کا بہت دکھ تھا کہ اس جنگ میں محترم مہینوں کی حرمت خون آلود ہوئی، اور حرم کی حرمت مجروح ہوئی۔ اس جنگ کے بعد بہت سے لوگ مستقبل میں ایسی جنگوں کے سدباب کے بارے میں غور کرنے لگے۔ نوجوانوں میں حضرت محمد ﷺ اپنے ہم عمروں کے قائد کا درجہ رکھتے تھے۔ جب شہر امن کے یہ سارے لوگ عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے اور انہوں نے یہ عہد کیا کہ وہ بلد امین میں ہر مظلوم کی حمایت کریں گے، خواہ وہ کسی بھی قبیلے کا ہو اور کہیں سے آیا ہوا ہو۔ اس معاہدے کو حلف الفضول کہتے ہیں اور رسالت کے شرف سے مشرف ہونے کے بعد بھی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس معاہدے میں شریک ہونے پر خوشی کا اظہار فرماتے تھے۔ یہ واقعہ حرم کعبہ میں حجر اسود نصب کرنے کے واقعے کی طرح آپ کی رسالت کے ایک طائر پیش رس کا درجہ رکھتا ہے۔

اپنے خاندان والوں سے تعاون اخلاق کی ایک اہم دفعہ ہے، اور خاص طور پر جب اس کا تعلق اقتصادیات اور حصول رزق حلال سے ہو۔ رزق حلال ہمیشہ محنت اور مشقت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس سے اخلاق کی تلوار پر دھار لگتی ہے اور اخلاق ہر ترغیب کا مقابلہ کرنے کے لائق بن جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں رزق حلال کے لئے یہ محنت لڑکپن ہی سے شامل ہوگئی۔ اول اول تو خاندان والوں کی خاطر، اور پھر اسی مشقت نے آپ میں وہ صبر او ر استقلال پیدا کیا جو بار نبوت اٹھانے کے لئے لازم تھا۔ بچپن میں آپ نے بنی سعد کی بکریاں چرائیں۔ اس پیشے اور نبوت میں عجب رشتہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے عصا کے بارے میں اپنے رب سے کہا تھا کہ میں اس سے ٹیک لگاتا ہوں اور اپنی بکریوں کے لئے درخت سے پتے جھاڑتا ہوں۔ بھیڑ بکریوں کو چرانے سے طبیعت میں صبر اور ضبط کا مادہ بڑھتا ہے۔ انبیاء جب پیغام الٰہی اپنی قوموں کو پہنچاتے تھے تو اُن کا رویہ بھی بھیڑ بکریوں کا سا ہوتا۔ وہ عقل وشعور سے کام نہیں لیتے تھے تقلید آبا چوپایوں کی طرح کرتے۔ جدھر پہلی بھیڑ نے رخ کیا دوسری بھیڑیں بھی اسی راہ پر ہولیں۔

صبر کی پرداخت کے علاوہ مویشی چرانے کا پیشہ آدمی میں تفکر کا مادہ بھی پیدا کرتا ہے۔ جنگلوں کی وسعتوں میں کسی درخت کے نیچے بیٹھا ہوا چرواہا مویشیوں کی عادات و اطوار کا مشاہدہ کرتا ہے، ان کے افادے اور مختلف استعمالوں پر غور کرتا ہے، اور خاموشی کی دنیا میں اپنی ذات، اس کائنات اور اس کے پیدا کرنے والے سے متعلق سوالات اس کے ذہن میں ابھرتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ مویشی جنہیں انسان ناقابل توجہ سمجھتا ہے وہ بھی تفکر کا دروازہ انسان پر کھول دیتے ہیں۔ یہ مویشی اور دوسرے جانور بھی اسے اپنی طرح تخلیق کے سلسلے کی کڑیاں معلوم ہونے لگتے ہیں اور انسان اپنے آپ کو، مویشیوں، دوسرے جانوروں اور دوسری مخلوقات کو ایک ہی سلسلے کی کڑیاں سمجھنے لگتا ہے اور اس پر عالم اور مخلوقات کی وحدت کا راز فاش ہو جاتا ہے۔ ہم سب کس طرح ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ ہمارے اور انعام و دواب کے رزق کے سرچشمے بھی ایک ہیں۔ یہ نباتات جو اللہ نے تخلیق فرمائی ہیں ماحول میں توازن ہی پیدا نہیں کرتیں بلکہ ہماری غذائی ضروریات کی تکمیل بھی کرتی ہیں۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَ الْاَنْعَامُ ؕ (۱۴)

پس دنیا کی زندگی تو ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے بارش نازل کی اور اس سے زمین کی نباتات (اگائیں) جن کو انسان اور چوپائے کھاتے ہیں۔

اَ وَ لَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَ اَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ۝ (۱۵)

کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم پانی کو بنجر زمین کی طرف بہا کر لے جاتے ہیں اور پھر اس سے کھیتیاں نکالتے ہیں جس (کی پیداوار) سے ان کے چوپائے اور یہ خود کھاتے ہیں۔

اور بات نباتاتی غذا تک محدود نہیں، بلکہ یہ مویشی بھی تمہارے لئے ایک اہم غذائی ضرورت کو مشروب خالص کی صورت میں پورا کرتے ہیں۔ یہ تمہیں دودھ دیتے ہیں جس کے غذائی عناصر کی اہمیت آج کے انسان پر سائنسی علم نے پوری طرح منکشف کر دی ہے۔ تمہارے یہ مویشی تمہارے لئے سبق آموزی اور عبرت حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ عبرت کا لفظ بہت وسیع معانی اور مفاہیم رکھتا ہے۔ اس کا ایک واضح مفہوم ہے کہ اشیاء و حقائق اور حیات و کائنات کے مشاہدے اور مطالعے سے اشیاء کی غرض و غایت کو جان لینا۔

o\Alsera

قرآن حکیم نے مسلمانوں کو اللہ کی قدرت کے مظاہر سے عبرت حاصل کرنے کی بار بار تعلیم دی ہے۔
فاعتبروا یا اولی الابصار۔

وَ اِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَۃً نُسْقِیکم مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِہٖ مِنْ م بَیْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ O (۱۶)

تمہارے لئے چوپایوں میں بھی (شکرگزاری) کے لئے بڑی عبرت ہے کہ ہم تمہیں ان کے پیٹ میں جو کچھ ہے اس میں سے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ پلاتے ہیں، جو آسانی سے پیا جاتا ہے اور جزو بدن بن جاتا ہے۔

قرآن حکیم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مویشیوں میں تمہارے لئے اور بہت سے فوائد ہیں۔ وہ تمہارے لئے زینت کی چیز بھی ہیں، تم ان سے لباس بھی حاصل کرتے ہو، تم ان پر سواری بھی کرتے ہو، وہ ان مقامات تک تمہارا سامان پہنچاتے ہیں جن تک تم بے حد مشقت کے بغیر نہیں لے جا سکتے تھے۔

مویشیوں کے یہ فوائد بڑی حد تک سورہ یسین کی تین آیات میں جمع ہو گئے ہیں:

اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَھُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَآ اَنْعَامًا فَھُمْ لَھَا مٰلِکُوْنَ O وَ ذَلَّلْنٰھَا لَھُمْ فَمِنْھَا رَکُوْبُھُمْ وَ مِنْھَا یَاْکُلُوْنَ O وَ لَھُمْ فِیْھَا مَنَافِعُ وَ مَشَارِبُ ط اَفَلَا یَشْکُرُوْنَ O (۱۷)

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنے ہاتھوں بنائی ہوئی چیزوں، ان کے لئے چوپائے بھی خلق کئے ہیں جن کے یہ مالک ہو گئے ہیں اور ان مویشیوں کو ہم نے ان کے زیرفرمان بنایا ہے، ان میں بعض تو ان کی سواری کے کام آتے ہیں اور بعض کا یہ گوشت کھاتے ہیں اور ان میں ان کے لئے (اور) فائدے بھی ہیں۔ کیا یہ پھر بھی شکر ادا نہیں کریں گے۔

افلا یشکرون کے الفاظ کے ذریعے مویشیوں اور ان کے منافع کے ذکر کا سبب بھی بیان فرما دیا گیا ہے۔ اور وہ ہے شکرگزاری۔ شکر کا ادا کرنا ایک بڑی اور اہم اخلاقی صفت ہے۔ مومن ہمیشہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ انبیائے کرام کی امتیازی صفت ہے، پھر حضرت نبی کریم ﷺ سے بڑا شاکر اور کون انسان ہو سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ اگر ایک دن کھانا نوش فرمائیں تو دوسرے دن اختیاری فاقہ فرمائیں۔ اور اس نکتے کو آشکار کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ میں اللہ تعالیٰ کا شاکر اور صابر

o/Alsera

بندہ کیوں نہ بنوں۔ صبر اور شکر عظیم اخلاقی صفات ہیں اور ایک دوسرے کا ضمیمہ ہیں۔ ان کی نمود اخلاقِ محمد ﷺ سے بڑھ کر کہاں نظر آئے گی؟

یوں گلہ بانی اور مویشیوں کا چرانا وہ ربانی نسخہ ہے جو انبیائے کرام اور خاص طور پر حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انسانوں کی صف میں لانے کے لئے اور ان کے رخ کو درست کرنے کے لئے عطا کیا گیا۔ (جاری ہے)

حوالہ جات

۱۔ القلم: ۴
۲۔ القلم: ۱ تا ۳
۳۔ الطبقات / ج ۱، ص ۱۷۵
۴۔ الرعد: ۳۸
۵۔ آل عمران: ۱۷۹
۶۔ البقرہ: ۲۵۳
۷۔ انعام: ۱۲۴
۸۔ الاعراف: ۱۴۴
۹۔ الحج: ۷۵
۱۰۔ القلم: ۴
۱۱۔ طٰہٰ: ۲۱
۱۲۔ الشعراء: ۱۸۴
۱۳۔ الاحزاب: ۲۱
۱۴۔ یونس: ۴۴
۱۵۔ السجدہ: ۲۷
۱۶۔ النحل: ۴۶
۱۷۔ یٰسین: ۷۱ تا ۷۳

فرہنگ سیرت

حافظ سید فضل الرحمن

اپنے موضوع پر ایک منفرد، جامع اور نئی پیشکش

صفحات: ۳۲۸ قیمت: ۱۵۰/روپے

زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز